ارسطو کی اصطلاحات:
علم البیان‘ سماجی اخلاقیات‘ اور منطق

موجودہ دَور میں ان اصطلاحات کی غیر شائستہ‘ غیر انسانی تشریح کا تجزیہ

تحریر: ابن عبدالحق‘ اخذ و ترجمہ: میجر (ر) سید حیدر حسن

ارسطو کی اصطلاحات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے اُنہیں درج ذیل مثالوں سے واضح کیا جائے گا:

سماجی اخلاقیات‘ تقریر یا تحریر یا علم الکلام یہ تینوں سامعین کو متاثر کرنے اور شوق دلانے کے لیے ایک مؤثر ذریعہ ہیں۔ ان کو تین فنکارانہ ثبوت بھی کہا جاتا ہے۔ (ان اصطلاحات سے متعارف تو ارسطو نے کرایا تھا‘ لیکن ان کی اہمیت کو سقراط نے اُجاگر کیا) یہ سب یونانی زبان کے الفاظ ہیں۔

سماجی اخلاقیات (Ethos)

یہ یونانی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ سامعین یا قارئین کو مقرر یا مصنف کے کردار سے متعارف کرانا اور اُسے معتبر ثابت کرنا۔ (ہمارے لیے حضور نبی اکرم ﷺ ایک مقرر‘ صاحبِ قرآن‘ کردار کے حوالے سے ایک مجسم نمونہ‘ اور بے مثال شخصیت ہیں‘ مختصراً اُسوۂ حسنہ۔ مترجم)

ایک مصنف یا مقرر سماجی اخلاقیات کو استعمال میں لا کر سامعین یا قارئین کو یہ یقین دلاتا ہے کہ وہ ایک قابل اعتبار شخص ہونے کے ناطے اس قابل ہے کہ اُسے سنا جائے یا پڑھا جائے۔ یونانی زبان کا یہ لفظ کردار کے معنی میں مستعمل ہے۔ لفظ اخلاقی اصول یا ضابطۂ عمل اسی لفظ سماجی اخلاقیات سے اخذ کیا گیا ہے۔ سماجی اخلاقیات سے واقفیت دلانے اور ان کو مؤثر بنانے کے لیے سامعین یا قارئین اور موضوع کی مناسبت سے الفاظ کا چناؤ (یا بہتر ذخیرۂ الفاظ کا استعمال) بہت اہم ہے۔ لیکن خود کو معتبر‘ غیر متعصب اور غیر جانبدار رکھتے ہوئے زبان کے قواعد اور الفاظ کی درست ترتیب اور استعمال سے مقرر یا مصنف اپنی مہارت کا ثبوت فراہم کرے۔ (جیسا کہ ۹/۱۱ کے بعد خود کو بش اور بلیئر نے عراق پر حملے کے وقت اپنی تقاریر میں ظاہر کیا۔)

تحریر و تقریر میں اثر انگیزی (Pathos)

اثر انگیزی سے مراد ہے کہ ایک تحریر یا تقریر ایسی مؤثر ہو کہ وہ سامعین کے جذبات پر اثر انداز ہو کر اُن کو قائل کر سکے۔ مصنف اور مقرر اپنی زبان کی اثر انگیزی کے ذریعہ سے سامعین کو مدد کے لیے پکار کر اپنے لیے ہمدردی کے جذبات پیدا کرتے ہیں۔ وہ سامعین کو وہ باور کراتے ہیں جو وہ اُن کو محسوس کروانا چاہتے ہیں۔

اثر پذیری کا ایک عام استعمال یہی ہے کہ سامعین کی ہمدردی حاصل کی جائے۔ (سابق صدر بش نے ۹/۱۱ کے اگلے دن گراؤنڈ زیرو پر جو تقریر کی وہ ایک مثالی واقعہ ہے۔) اثر انگیزی کا ایک دوسرا استعمال یہ ہے کہ سامعین کو کسی عمل پر اُبھارنے کے لیے اُن میں غم وغصہ کی کیفیت پیدا کی جائے۔ (بش کی تقریر کے بعد افغانستان پر حملہ کیا جانا۔) یونانی زبان میں یہ لفظ 'غم' اور 'تجربے' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ الفاظ دوسروں کے جذبات کو سمجھنے' ہمدردی' رقت آمیزی' اور اثر انگیزی کے معنی میں مستعمل ہیں اور اسی لفظ "pathos" سے لیے گئے ہیں۔ اپنی گفتگو یا تحریر میں اثر انگیزی پُر معنی زبان' زبان کے جذباتی اتار چڑھاؤ' جذبات کو انگیخت کرنے والی مثالوں' جذباتی کہانیوں پر مشتمل واقعات اور اشاروں کنایوں کے استعمال سے پیدا کی جا سکتی ہے۔

منطق اور دلیل (Logos)

یونانی زبان میں لفظ 'لاگوس' (Logos) 'کلام' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ کا ایک معنی کلامِ ربانی بھی ہے اور حدیث عیسوی بھی (ارسطو کا زمانہ قبل از مسیح ہے)۔ ایک معنی یہ ہے کہ منطق اور دلیل کے ذریعہ سے سامعین کو قائل کرنا۔ ایک دلیل کو ثابت کرنے کے لیے بطور ثبوت کوئی واقعہ' اعداد و شمار' کوئی تاریخی تشبیہ یا مکمل مماثلت پیش کی جائے' یا یہ کہ کسی موضوع سے متعلق کوئی سند ہو' بحث مباحثہ ہو' سوال اور جوابی سوال ہوں۔ کسی منطق کے پیچھے ''کیوں'' یعنی کسی مقصد' عمل یا نظریے کا ہونا ضروری ہے۔ جب لاگوس کا معنی بطور 'کلام' لیا جائے تو پھر اس کی قریب ترین تعریف یہ ہوگی کہ ''کلام یا وہ سب کچھ جن کے ذریعہ سے ذہن کے خیالات کو ظاہر کیا جاتا ہے''۔ لفظ 'منطق' (Logic) 'لاگوس' سے اخذ کیا گیا ہے۔ 'کلام' کو ترقی یافتہ' علمی یا تجریدی زبان' اور مصدقہ' غلط یا من گھڑت اطلاع سے نکھارا بھی جا سکتا ہے۔ (۲۶/۱۱' ۷/۷' ۹/۱۱ اور عراق کی دوسری جنگ ایک بڑے بگاڑ کی تمہید تھی' اور اس لحاظ سے موجودہ دور کی تمام جنگیں مغرب نے ہی برپا کی ہیں' اور اُن میں تخفیف شدہ یورینیم اور زہریلے مادّے والے ہتھیار استعمال کیے جاتے ہیں۔ مختلف استحصالی سرمایہ دارانہ معاشی نظام' معاشروں کے باہمی رابطوں کے تانے بانے کی تباہی' مغرب میں صدارتی بحثیں' ذرائع ابلاغ کی روئدادیں' ریڈیو اور ٹی وی پر عام بحث مباحثہ' جدید تعلیمی نصاب میں کسی نظریہ کا بطور مصدقہ سائنسی علم شامل کیا جانا' عصبیت کی بنیاد پر قائم اسرائیل جیسی ریاست کا اُس زمین پر اپنا حق جتلانا جو زمین یہودیوں نے غاصبانہ طور پر ہتھیالی اور فلسطین کے مقامی باشندوں کو 'غزہ' جیسی قیدیوں کے لیے بنائی گئی جگہ تک محدود کر دیا۔ نو آبادیات اور سامراجی نظام کا قیام' تحقیق کے نام پر ایک نظریہ سے حاصل کردہ غلط اثرات' کلام ربانی کی غلط تشریح' اور یہ فہرست بہت لمبی ہے۔) اکثر اختراعی تاریخی اور جزوی علمی معلومات کو استعمال میں لا کر نام نہاد منطقی دلائل گھڑے جاتے ہیں اور انسانیت کو مزید استحصال اور غلامی کا شکار بنایا جاتا ہے۔

اپنے سامعین اور بین الاقوامی برادری کو ترغیب دلانے کے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ سماجی اخلاقیات' اثر انگیز تحریر و تقریر' اور منطق سے بھرپور اور مؤثر استفادہ کیا جائے۔ جدید دور میں تقریر و تحریر اور کلام کو ذرائع ابلاغ اور ہر طریقے سے مشتہر کیا جاتا ہے۔

سماجی اخلاقیات کی مثالیں

مثال ۱: ''میں ذمہ داری کے ساتھ عراق میں جنگ کا خاتمہ اور افغانستان میں القاعدہ اور طالبان کے خلاف لڑائی بند کرواؤں گا۔ آئندہ کے تنازعات سے نبرد آزما ہونے کے لیے میں اپنی فوج کی تشکیلِ نو کروں گا۔ لیکن میں اب پھر سخت' براہ راست بین الاقوامی تعلقات کے ذریعہ ایران کی جوہری ہتھیاروں کے حصول کی کوشش کو ناکام بناؤں گا اور روس کی جارحیت کو روک دوں گا۔ میں نئے اشتراک قائم کرکے اکیسویں صدی کی دھمکیوں یعنی دہشت گردی' جوہری ہتھیاروں کے پھیلاؤ' غربت' قتل و غارت' موسمی تبدیلی اور بیماری پر قابو پانے کی کوشش کروں گا۔ میں امریکہ کی اخلاقی ساکھ کو بحال کروں گا' تاکہ امریکہ ایک بار پھر اُن سب کے لیے آخری اور بہترین اُمید ثابت ہو جو امن کی زندگیاں اور اچھے مستقبل کی خواہش رکھتے ہیں۔''(۱)

مثال ۲: ''ذرائع ابلاغ کے خرید وفروخت کے ادارے سے منسلک افراد تحقیق کے لیے اربوں ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ اب نفسیات کے بہترین علم کی بھرپور مدد سے ان افراد نے ایک مکمل لائحہ عمل تیار کرلیا ہے۔ وہ بخوبی آگاہ ہیں کون سا بٹن دبا کر وہ ہمیں کس خیال کو اپنانے یا اپنی کس چیز کو خریدنے پر مجبور کرسکتے ہیں۔ وہ اب صرف کپڑوں کی میل کچیل دور کرنے والا مسالہ ہی نہیں بلکہ پلاسٹک کے کل پرزوں سے لے کر جنگی ساز و سامان تک بیچ رہے ہیں۔ اگر ہمیں اپنے معاشرے کے مستقبل کے لیے حل سوچنا ہے' تو ایک اہم ترین بات جس کی ہمیں ضرورت ہے' وہ ہے سچ۔''(۲)

ووڈی ہیرلسن نے اپنے تبصرہ میں ہمارے امریکہ معاشرے کی موجودہ سماجی اخلاقیات کے ایک سلسلہ وار بگڑتے ہوئے نظام پر پڑا پردہ بہت سچائی سے اُٹھایا ہے۔ یہ مسلسل خرابیوں کا وہ عمل ہے جس نے ایک ایسے نظام کو جنم دیا ہے جو ہمارے ہر شعبہ زندگی میں ہماری ناکامیوں کی ضمانت ہے۔ ماحولیات سے لے کر جمہوریت' ہماری شخصی آزادی' سیاست میں مشترکہ مفادات کا ٹکراؤ' بے ضابطہ مشترکہ طاقت کے اداروں میں باہمی کشمکش' ذرائع ابلاغ کا کئی بھاری بھرکم کمپنیوں پر مشتمل سلسلہ کا کئی ہاتھوں میں ہونا' اور افواج کے صنعتی ادارہ کا سلسلہ جس نے ہمارے نمائندوں کو خرید رکھا ہے۔(۳)

تحریر و تقریر کی مثال

مثال ۱: ۱۰ ستمبر ۲۰۱۳ء کو صدر اُباما نے وہائٹ ہاؤس میں اپنی ایک تقریر میں اُن کیمیائی ہتھیاروں کا ذکر کیا جو بشار الاسد نے استعمال کیے۔ حسب معمول صدر نے سامعین کو ''میرے امریکیو'' کہہ کر یکدم خود کو اُن کے ساتھ وابستہ کرلیا۔ اُباما نے گفتگو شروع کرتے ہی اپنے موضوع سے واقفیت دلائی کہ میں آپ سے شام کے متعلق بات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کیوں ضروری ہے اور ہم نے کرنا کیا ہے؟ صدر اُباما نے شام میں وقوع پذیر واقعات اور مظاہروں کا ذکر کیا جو بشار الاسد کی حکومت کے خلاف جاری ہیں۔ ظالمانہ خانہ جنگی کا ذکر کیا۔ 'پرامن' 'پرتشدد اور ظالمانہ' بہت بھاری بھرکم الفاظ ہیں' لیکن قوم کو جنگ کی حمایت کے لیے تیار کرنے کے لیے' جب کہ وہ جنگ بیرونِ ملک لڑی جانی والی ہو' ایسے الفاظ بہت مثالی ہیں۔ اُباما نے بتایا کہ ایک لاکھ سے زیادہ لوگ مارے گئے

اور لاکھوں ملک چھوڑ گئے ہیں۔ یہ اَعداد و شمار حتمی نہیں ہیں‘ لیکن ان کی اثر پذیری متاثر کن ہے۔ یہ اُس تباہی کو ظاہر کرتے ہیں جس کا شام کے لوگوں کو حالیہ زمانے میں سامنا ہے اور جو بشار الاسد کی حکومت کی وجہ سے ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اُباما نے سننے والوں کی توجہ جذباتی انداز میں اُن بچوں کی طرف بھی دلوائی جن کے بارے میں یہ خبر ہے کہ وہ اسد کے کیمیائی ہتھیاروں کی وجہ سے زندگی کی بازی ہار گئے۔ یہ تقریر ۱۰ ستمبر کو‘ قومی تاریخ میں ۱۱ ستمبر کے دن کیے جانے والے سب سے بڑے دہشت گرد حملے کی بارہویں برسی کے موقع پر کی گئی۔

اُباما نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ اسد قصوروار ہے۔ ثبوت کے طور پر کہا کہ ڈکٹیٹر یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا اپنی توجہ کسی اور طرف منتقل کر لے گی‘ لیکن ہم امریکن ایسا نہیں کریں گے۔ اس طرح کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسرے ظالم اور جابر حکمرانوں کو یہ تاثر ملے گا کہ امریکہ کمزور تھا اور وہ بھی وہی وطیرہ اپنائیں گے‘ جس کے نتیجہ میں امریکہ کی افواج کو دوبارہ کیمیائی حملے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دہشت گرد تنظیمیں آسانی سے ہتھیار حاصل کر کے شہریوں پر قیامت برپا کر دیں گی۔ دہشت گرد تنظیموں کی باغیانہ کارروائی کا ذکر اُس موقع پر کیا کہ جب قوم اُن لوگوں کی یاد منا رہی تھی جو ۹/۱۱ کے دن دہشتگردی کے حملے میں اپنی زندگیاں ہار گئے تھے‘ اور اُن کا ذکر کیا جو ہماری آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے لڑ رہے تھے۔ یہ امریکی عوام کے لیے جذبات سے لبریز قابلِ غور عرضداشت تھی۔ (۴)

مثال ۲: امریکہ کے قانون ساز ادارے نے آج سے تیرہ سال پہلے بہت ولولے کے ساتھ ایک بہت زیادہ متنازعہ قرارداد کے ذریعے عراق کے خلاف فوجی طاقت کے استعمال کی اجازت دی (اسے عراق کے خلاف جنگ کی قرارداد ۲۰۰۲ء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے)۔ اس قرارداد کی رو سے صدر جارج بش کو ”عراق کے خلاف امریکی افواج کے استعمال اور جس طرح بھی وہ مناسب اور ضروری سمجھے‘ اُسے عراق کی طرف سے مسلسل خطرہ کے پیش نظر امریکہ کی حفاظت کے لیے اقوامِ متحدہ کی سکیورٹی کونسل کی عراق سے متعلق قرارداد کی روشنی میں تمام اقدامات اُٹھانے کی اجازت ہے۔“(۵)

منطق اور دلیل کی مثال

مثال ا: ۲۰۰۳ء کی عراق جنگ ایک ایسا عالمگیر واقعہ تھا جسے ذرائع ابلاغ کے مختلف اداروں نے دنیا کے مختلف علاقوں میں اپنے اپنے طریقے سے پیش کیا۔ امریکی ذرائع ابلاغ نے اُسے ’عراقی آزادی‘، ’پینٹیگان نے ’عراق کے خلاف جنگ‘ اور کینیڈا کے سی بی سی نے اسے ’عراق پر جنگ‘ کا نام دیا۔ عرب دنیا کے ذرائع ابلاغ نے اس کاروائی کو ’قبضہ‘ کا نام دیا۔ میری تحقیق کے مطابق امریکی ذرائع ابلاغ نے جنگ کا ماحول بنایا اور اس نے بش انتظامیہ اور پینٹیگان کی منظم تشہیری مہم میں اہم رابطے کا کام انجام دیا۔

سال ۲۰۰۲ء کے گزرنے کے ساتھ ساتھ بش انتظامیہ عراق کے خلاف نظریاتی جنگ کی شدت میں اضافہ کرتی گئی۔ پیش قدمی کے حملے کی تشہیر جاری رکھی اور ناگزیر جنگ کے لیے جنگی ساز و سامان اکٹھا کرنے کا کام بھی جاری رکھا۔ اس جنگ کا اصل ہدف ”عراق کے بہت زیادہ تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی روک تھام“ اور اقوامِ متحدہ کے اس حکم کو لاگو کرنا تھا کہ عراق بڑے پیمانے پر تباہی پھلانے والے ہتھیار تباہ کر دے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ بش انتظامیہ کے کئی اور خفیہ عزائم بھی اس حملے کی وجہ بنے۔ دوسری بار صدارتی عہدہ حاصل کرنے کے لیے

بش کو ایک بڑی فتح اور دہشت گردی کے خلاف ایک علامتی کامیابی درکار تھی تاکہ وہ اپنی اندرونی اور خارجہ حکمت عملی کی سطح پر ناکام ہوتی حکومت سے توجہ ہٹا سکے۔ مزید یہ کہ بش انتظامیہ میں موجود نظریہ ساز پیش بندی کے حملے کی حکمت عملی کے لیے جواز مہیا کرنا چاہتے تھے۔ عراق پر ایک کامیاب حملہ اس حکمت عملی کو جائز اور اُسے معمول کی کارروائی بنانا بھی ممکن بنا دیتا۔ یہی یک طرفہ سوچ اور آمادۂ جنگ لوگ دنیا پر امریکہ کا غلبہ دیکھ رہے تھے‘ جو کہ بڑے بش کا ''دنیا کا نیا حکم'' (New World Order) تھا‘ جس میں وہ امریکہ کو دنیا پر غالب‘ ایک فوجی طاقت کے طور پر حکومت کرتا دیکھ رہے تھے یعنی دنیا پر حاکم ایک ''فوجدار''۔ تیل کی مزید دولت پر قبضہ بش انتظامیہ کے اُن اہم افراد کے لیے ایک پُرکشش ترغیب تھی جو سابقہ ادوار میں تیل کے کاروبار کے اداروں میں انتظامی اختیار رکھتے تھے۔ سب سے اہم یہ کہ نفسیاتی طور پر بش اپنے والد کا نامکمل کام بھی مکمل کرنا چاہتا تھا اور ساتھ ساتھ ایک برائی کو ختم کرنے کی سوچ نے بش کو صلیبی جنگ کے جذبے کے ساتھ عراق پر حملے کے لیے اُکسایا۔(۶)

مثال ۲: صدر اُباما نے اسرائیلی وزیر اعظم بنیامن نیتن یاہو کو یہ بتایا کہ اُس کی انتظامیہ جلد ہی ایران کے خلاف پابندیوں کو جزوی طور پر بتدریج نرم کر دے گی۔ ڈیبکفائل نے خصوصی طور پر یہ اطلاع واشنگٹن اور یروشلم سے دی ہے۔ پیغام کے مطابق یہ تخفیف ''غیر اہم''‘ لیکن ''اہم'' پابندیوں سے متعلق ہے۔ اسرائیل امریکہ کا واحد اتحادی ہے جسے اس اطلاع سے خبردار کیا گیا ہے‘ اور واشنگٹن اور تہران کے مابین مفاہمت کے بارے میں تفصیل سے صرف اُسی کو بتایا گیا ہے۔ نیز ایران کی طرف سے جوہری توانائی کے پروگرام کے بارے میں جو رعایتیں فراہم کی جائیں گی اُن کے بارے میں بھی بتایا گیا۔ اُباما اور آیت اللہ خامینائی کے درمیان جو بات ہوئی اُس کی اطلاع یورپ اور سعودی عرب کے حکمرانوں کو بھی نہیں دی گئی۔ ان رعایتوں کے بارے میں ۱۵/اکتوبر کے بعد معلومات ملنی شروع ہوں گی جب جنیوا میں بات چیت شروع ہوگی۔ جرمنی اور سکیورٹی کونسل کے پانچ مستقل ارکان بات چیت میں شامل ہوں گے۔(۷)

اوپر دی گئی مثالوں سے ایک قاری یہ معلوم کر سکتا ہے کہ بہت سی جہتیں رکھنے والے ارسطو کے تحریر اور تقریر کے فن کو کس بے ہودہ طریقے سے توڑا مروڑا گیا ہے‘ حتیٰ کہ ہر پہلو ایسا ہے کہ اس کے لکھنے کے لیے ایک کتاب درکار ہے۔ وقت کی کمی کے پیش نظر میں اس مکالمے کو کائناتی طور پر سیاسی اور تعلیمی نظام میں سرایت کر جانے والی حرام خوری تک محدود رکھتا ہوں‘ خاص طور پر تعلیمی نظام میں‘ ماسوائے چند اداروں کے جو دینی مدارس ہیں‘ صرف وہ ''کردار سب سے پہلے'' کو سرفہرست رکھے ہوئے ہوئے ہیں۔ آج منطق دنیا کا طے شدہ طریقہ کار ہے۔

ابتدائی سالوں کی تعلیم و تربیت

سماجی اخلاقیات سرفہرست وگرنہ خود کو بھیانک دنیا کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرو!

پاکستان اور بیرون ملک معلمی کے پندرہ سالہ دور میں طلبہ و اساتذہ کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیا اور ایسے سکولوں میں بھی تعلیم دی جہاں پڑھانے کا عمل ایک بہت مشکل مرحلہ تھا۔ اس تجربے کا نچوڑ یہ ہے کہ انسان ذاتی طور پر اپنے آپ کو بھی بہتر بناتا ہے‘ اور دوسرا یہ کہ تحقیق سے حاصل شدہ اعداد و شمار کے مطابق بچوں نے جب ابتدائی تعلیمی اداروں میں تربیت یافتہ اساتذہ سے تعلیم حاصل کی تو اُنہوں نے بہتر کارکردگی انجام دی۔

اس طرح بچوں اور تربیت یافتہ اساتذہ‘ دونوں کی بہتر کارکردگی میں ایک مثبت نسبت پائی گئی۔

ایسی مثبت نسبت ایک خوشی کی بات ہے‘ لیکن وائیگوٹسکی نے بچوں کے ابتدائی سالوں کے اداروں میں معاشرتی نشوونما کے بارے میں جو نظریہ دیا ہے اُسے بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس نظریہ کے مطابق ایک اُستاد کا کردار صرف ایک ’سہولت کار‘ کا رہ جاتا ہے اور تمام دھیان معاشرتی میل جول کی طرف دیا جاتا ہے‘ کہ جو بچے ابھی صرف پانچ سال کی عمر کے ہیں وہ ایک جوڑے‘ چند دوسرے بچوں‘ یا پھر پوری جماعت کے ساتھ گفتگو میں حصہ لیں۔ اُنہیں یہ مؤثر ترغیب دلائی جاتی ہے کہ وہ ’سہولت کار‘ سے ایسے نظریات کے بارے میں سوال کریں جس کا مناسب جواب دینے کے لیے ڈگری کلاس کے طالب علموں کو بھی دانتوں تلے پسینہ آجائے۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ تقریباً وہ تمام ادارے جو بچوں کی ابتدائی سالوں میں تربیت انجام دیتے ہیں‘ اُنہوں نے سماجی اخلاقیات کو ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا ہے۔ وہاں ناپختہ اور نازک اذہان کی نشوونما تقریر وتحریر اور اُس سے بھی زیادہ بدتر یہ کہ کلام یعنی بحث وتمحیص اور ترغیب کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ پاکستان کے تمام نام نہاد اعلیٰ سکولوں میں بدقسمتی سے تعلیم وتربیت کے لیے ان ہی آخری دو طریقوں کو ترجیح دی جارہی ہے۔ ایک تربیت یافتہ استاد سکھلائی کے کسی بھی عمل میں محض ایک بے عمل سہولت کار کا کردار ادا کرتا ہے۔ کمرۂ جماعت کا ماحول ’’آج کے دن کے حکم‘‘ یعنی تحریر وتقریر اور بحث اور دلیل کے رنگ میں ڈھال دیا گیا ہے۔ پنجاب کے وزیراعلیٰ شہباز شریف نے بھی انہی صلیبیوں کے گروہ میں شمولیت اختیار کرلی ہے۔

مغرب نے اس نمونہ تعلیم کو مکمل طور پر اور کھلے دل کے ساتھ اختیار کرلیا ہے۔ دن بدن امریکہ کے اسکولوں میں فائرنگ کے بڑھتے واقعات اُس مہیب قوت کی ایک تہہ ہے جو اس طریقہ تعلیم کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہے۔ اس ماحول کے پنپنے کے لیے ماحول سازگار ہے۔ ایک سولہ سالہ نوجوان‘ خواہ ایک بہت کم درجے پر سہی‘ وہی کچھ کیوں نہیں کرے گا کہ جو بش‘ بلیئر اور اُوباما کررہے ہیں۔ وہ بھی تو بالترتیب اپنے اپنے ممالک کے بہترین سکولوں سے فارغ التحصیل ہیں۔ اُن کی سماجی اخلاقیات‘ اگر کوئی ہیں‘ تو الٹ گئیں ہیں‘ کیوں کہ اُنہوں نے ہم آہنگ حالات کی اثرانگیزی اور منطق کو‘ جو کہ جنگی جنون اور نسل کشی کو بڑھاتی ہیں‘ پسند کرلیا ہے۔ حالات برطانیہ اور باقی یورپ میں بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں‘ اگرچہ ابھی تک وہاں ایسے اندوہناک واقعات نہیں پیش آئے ہیں۔

اگر یہ سب ایک عیب دار فن تدریس کی موافقت کا نتیجہ نہیں ہے تو پھر سرپھرے پادری ٹیری جونز‘ ناروے کے اینڈرز بہرنگ بریوک‘ اور میرینز کا افغانیوں کی لاشوں اور کلام مجید کے نسخوں پر پیشاب کرنے والے مکروہ واقعات کو یاد کرو۔ حضور ﷺ کے کارٹونوں اور دنیا کی ایک تہائی تعداد کے انسانوں کے محبوب پیغمبر ﷺ کے دوسرے واہیات خاکوں کو یاد کرو۔ اسی طرح اس قوم کا اقدام ناقابل فراموش ہے جو خود کو اخلاقی طور پر درست مانے لیکن حجاب کے استعمال کو روکے۔ اسی کے ساتھ امریکہ میں بدنام غنڈوں کے غول‘ جرائم‘ پاکستان کے بڑے شہروں میں بڑھتے ہوئے جرائم‘ اور ہمارے پڑوسی ملک‘ جسے دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا کرشمہ قرار دیا جاتا ہے‘ میں غیرملکی سیاح خواتین کے ساتھ اجتماعی آبروریزی کے واقعات میں اضافہ لمحہ فکریہ ہے۔ آج وہ سب اقوام جو دلیل اور منطق پر قیاس کرتی ہیں‘ اُنہیں کرۂ ارضی کے بڑھتے ہوئے بے نظیر جرائم سے واسطہ ہے۔

وہاں جرائم جیومیٹری کے تناسب سے دوگنے اور چوگنے کے حساب سے بڑھ رہے ہیں۔ وہاں سماجی اخلاقیات کا نام ونشان ہی نہیں یا اُنہیں اعلیٰ طبقے کی خواہش کے مطابق تہس نہس کر دیا گیا ہے۔

تیسری دنیا ایک اور ہی طرح کی بہت بڑی مشکل کا شکار ہے۔ وہاں کہیں دو اور کہیں تین طرح کے نظامِ تعلیم ہیں۔ اعلیٰ طبقہ اور اوپر والا درمیانہ طبقہ ایسے اداروں سے مستفید ہوتے ہیں جہاں اُستاد ایک 'سہولت کار' کا کام انجام دیتا ہے۔ مذہب کی بنیاد پر قائم بعض ادارے بھی اب اسی نظام میں شریک ہو رہے ہیں۔ جو باقی بچ رہے ہیں اُن سے شودروں جیسا سلوک ہوتا ہے اور آج کی کاروباری تعلیم کی دنیا میں شودروں کی پروا کسے ہے؟

یہ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی ہے۔ اس پختہ عقیدہ سے لیس شاگرد تقریر و تحریر کی اُلٹ تعبیر اور تڑے مڑے منطق کو اب گھر میں والدین کے فرمان' یعنی کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کو 'کیوں' کی چھلنی سے گزارتے ہیں۔ اب اُن کی نظر میں کوئی بھی معتبر نہیں ہے...... سماجی اخلاقیات وہی ٹھیک جس کا فیصلہ وہ خود کریں۔ اس لیے کہ اسکول میں یہی تعلیم دی جارہی ہے۔ ''میں وہ کیوں کروں؟'' یہ الفاظ اب ہر گھر میں سنائی دینے لگے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اب والدین کو یہ شکایت ہے کہ اُن کے بچے اب ان کی تعظیم نہیں کرتے' نافرمان اور قابو سے باہر ہوتے جارہے ہیں اور دھمکی سے ایسی صورتِ حال سے دوچار کر دیتے ہیں جس سے والدین خود کو بچانا چاہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر وہ بچے کس کے قابو میں ہیں؟

اس کا جواب مختصر اور سادہ سا ہے۔ آج کے بچوں اور نوجوانوں کے ذہن میں یہ عقیدہ راسخ کر دیا گیا ہے کہ فی زمانہ باہم موافق گلے سڑے تعلیمی نظام اور ذرائع ابلاغ نے جو فن تحریر و تقریر تشکیل دیا ہے اُس کے تحت سماجی اخلاقیات کو منطق پر قربان کر دو۔ جب تک مثالی نمونے کو واپس اپنے اصل سانچے میں منتقل نہیں کیا جاتا' جہاں سماجی اخلاقیات سرفہرست ہوں' حالات بد سے بدتر ہوتے جائیں گے' اور ہماری آئندہ نسل کسی بھی علم' دین یا کسی بھی چیز کی بنیاد کو جاننے کی اہلیت سے فارغ ہوگی۔

حواشی

(1) Source: Democratic Presidential Candidate Acceptance Speech by Barack Obama. 28 August 2008.
(2) Source: Woody Harrelson, writing for New York Times. March 16th 2011
(3) Source: End the lie_Independent News/Ethos. April 11th 2012
(4) Source: The Chornicles of Ricky. Online
(5) Source: http: westlawinsider.com 2002. Online
(6) Source: http/pages.gseie.ucla.edu/faculty/kellner/papers/mediapropaganda.htm
(7) Source: http?/aconservativeedge.wordpress.com.2013/10/10. Online

جہاد فی سبیل اللہ
اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج
بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب